

تدوین حدیث اور اصول درایت

☆ علی اصغر چشتی صابری ☆

علمائے حدیث کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں ان میں تین قسم کے حضرات ملتے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق "روایۃ الحدیث" سے ہے۔ ان کا اصل وظیفہ یہ ہے کہ روایت کو سند کے اعتبار سے پرکھتے ہیں اور ضبط کرنے کے بعد روایت کرتے ہیں۔

دوسری قسم ان حضرات کی ہے جن کا تعلق "درایۃ الحدیث" سے ہے۔ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ روایت کو متن کے لحاظ سے دیکھتے ہیں اور داخلی نقد پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

تیسری قسم ان علماء کی ہے جو روایت کو سند کے لحاظ سے بھی پرکھتے ہیں اور متن کی بھی عقلی و اصولی بنیادوں پر تحقیق کرتے ہیں۔ جن محدثین کا تعلق اجتہاد و استنباط احکام سے ہوتا ہے وہ اصول روایت اور درایت دونوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت اعمش کا مشہور قول ہے:

"یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة" (۱)

ترجمہ: اے فقہاء کی جماعت! روایت کے اخذ اور استعمال کے سلسلے میں تمہاری

مثال طبیبوں کی سی ہے اور ہماری مثال پھارسیوں کی۔

مطلب یہ کہ روایات کا ذخیرہ محدثین کے پاس ہوتا ہے لیکن ان سے طریق استنباط فقہاء جانتے ہیں۔ شیخ طاہر الجزائری لکھتے ہیں:

"ان المحدثین قلما یحکمون علی الحدیث بالاضطرار اذا کان الاختلاف فیہ واقعا

فی نفس المتن لان ذلک لیس من شانہم من جهة کونہم محدثین وانما هو من شان

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، دعوة اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

المجتہدین۔ (۲)

(حدیث پر محدثین اس صورت میں اضطراب کا حکم بہت کم لگاتے ہیں جبکہ نفس متین میں اختلاف ہو کیونکہ بحیثیت محدث یہ ان کا کام نہیں ہے بلکہ یہ مجتہدین کا وظیفہ ہے۔) اصول درایت کی بنیاد قرآن حکیم میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقوں نے تہمت لگائی اور اس کا چرچا اس حد تک ہوا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تو اللہ جل شانہ نے فرمایا:

لو لا اذ سمعتموہ قلت مایکون لنا ان نتکلم بهذا سبحانک هذا بہتان عظیم۔ (۳)

ترجمہ: جب تم نے اس خبر کو سنا تو کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمارے لیے ایسی بات ہرگز مناسب نہیں۔ یہ تو بہت بڑے بہتان کی بات ہے۔

یہاں یہ اشارہ ہے کہ اس بے بنیاد خبر کو سننے کے بعد تمہیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ انتہائی نامعقول بات ہونے کے باعث درایت بالکل ساقط الاعتبار خبر تھی۔ صحابہ کرام اور اصول درایت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں درایت کی ابتداء ہو چکی تھی۔ صحابہ کرام کے اندر ایسا گروہ موجود تھا جو ہر قسم کی روایت کو قابل قبول نہیں سمجھتا تھا۔ یہ حضرات روایت کو سننے کے بعد اسے درایت کے ترازو میں تولتے اگر روایت صحیح ہوتی تو اسے قبول کرتے، ورنہ رد کر دیتے۔ اس جماعت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا:

اذا سمعتم الحدیث تعرفہ قلوبکم وتلین لہ اشعارکم و ابشارکم، وترون انہ منکم قریب فانا اولکم بہ، و اذا سمعتم الحدیث عنی تنکروہ قلوبکم وتنفر منہ اشعارکم و ابشارکم وترون انہ منکم بعید فانا ابعدم منہ۔ (۴)

(جب تم کوئی ایسی حدیث سنو جس سے تمہارے دل کو انسیت ہو اور تمہارے بال و کھال اس سے متاثر ہوں اور اپنے سے اس کو قریب سمجھو تو میں اس کا تم سے زیادہ حقدار ہوں اور جب تم کوئی ایسی روایت سنو جس کو تمہارے دل قبول نہ کریں اور تمہارے جسم و جان اس سے متوحش ہوں اور اپنے سے اس

کو دور سمجھو تو میں تمہارے مقابلہ میں اس سے زیادہ دور ہوں۔)

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما حدثتم عنی ما تنکرونہ فلا تاخذوا بہ فانی لا اقول المنکر و لست من اہلہ۔ (۵)

(جب تمہارے سامنے ایسی حدیث بیان کی جائے جس سے تمہارا دل مطمئن نہ ہو تو اس کو قبول نہ کرو کیونکہ نامناسب بات کرنا میرے منصب کے خلاف ہے۔)

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان موجود رہے۔ تب تک انہیں حدیثی روایات خود پرکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اشکال کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت ہو سکتی تھی۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا تو اب ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب روایات کو آنکھیں بند کر کے نہ لیا جائے بلکہ راوی اور روایت کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ میت کو اس کے پسماندگان کے نوحہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے:

ان المیت ليعذب ببعاء اہلہ۔ (۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سنی تو اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: غفر اللہ لابی عبدالرحمن انه وهل ان اللہ تعالیٰ يقول: لا تزر وازرة وزر اخرى۔ انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان هذا ليعذب الان واهلہ بیکون علیہ۔ (۷)

اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمن (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کے حال پر رحم فرمائے۔ آپؐ بات سمجھے نہیں، یہ تو اللہ جل شانہ کے ارشاد "لا تزر وازرة وزر اخرى" کے خلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک قبر کے قریب سے گزرے تو فرمایا: یہ قبر والا تکلیف میں مبتلا ہے اور اس کے گھروالے اب تک اس کیلئے رو رہے ہیں۔

ایک موقع پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان کی:

الشهر تسع و عشرون یعنی مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سنی تو فرمایا: غفر اللہ لابی عبدالرحمن انہ وہل، انما ہجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساء د شہرا فتزل لتسع و عشرين، فقالوا یا رسول اللہ! انک نزلت لتسع و عشرين۔ فقال: ان الشهر یکون تسعا و عشرين^(۸)۔ (اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمن کے حال پر رحم فرمائے وہ سمجھے نہیں۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ کیلئے ازواج مطہرات سے الگ رہے۔ جب انتیس دن پورے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانہ سے نیچے تشریف لائے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا: اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نے تو ازواج مطہرات سے ایک مہینہ تک الگ رہنے کا فرمایا تھا اور مہینہ تو ابھی پورا نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی: "الوضوء مما مست النار ولو من ثور اقط۔" (جس چیز کو آگ چھوئے اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ پتیر کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔) تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انتوضاء من الدهن، انتوضاء من الحمیم^(۹) (کیا ہم چکناہٹ اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو کریں گے؟)۔

محمد بن الربیع رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی: ان اللہ قد حرم علی النار من قال لا الہ الا اللہ یتغی بذلک وجہ اللہ۔ (جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے لا الہ الا اللہ۔ "کہا اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔ تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ ما اظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما قلت^(۱۰) میں نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات کہی ہوگی جو تم کہہ رہے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر پر کھڑے ہو کر فرمایا "ہل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا۔ ثم قال انہم یسمعون الان ما اقول۔" (اے قلیب والو! کیا تم نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو درست پایا؟۔ پھر فرمایا: اب یہ لوگ میری بات سن رہے ہیں۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ روایت بیان کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہل ابن عمر، انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انہم الان لیعلمون ان الذی کنت اقول لہم لہو الحق۔" (ابن عمر صحیح نہیں سمجھے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: قلبیہ والے اب جانتے ہیں کہ جو بات میں ان کے سامنے پیش کر رہا تھا وہ ٹھیک تھی۔

اس قسم کی بہت ساری روایات ذخیرہ حدیث میں موجود ہیں جنہیں اگر یکجا کیا جائے تو ایک معقول ضخامت کی کتاب بن سکتی ہے۔ ذیل میں ہم درایت کے چند بنیادی اصولوں پر بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ محدثین حضرات روایت کے متن کو کن کن پہلوؤں سے دیکھتے ہیں اور اس کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں۔

(۱) روایت کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو:

جو حدیثی روایت کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو اسے اصولاً قبول نہیں کیا جاتا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس اصول پر عمل رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک عورت نے کوئی حدیث بیان کی آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتے۔ (۱۲)

حدیث معراج میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رویت باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سنی تو اس کی صحت سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ قرآن کی آیت لا تدركہ الابصار کے خلاف ہے۔ (۱۳)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بدفال کے متعلق حدیث بیان کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضور علیہ السلام یہ ارشاد کس طرح فرما سکتے تھے جبکہ قرآن صراحةً کہتا ہے: ان الامر کلہ للہ۔

(۲) روایت اسلامی کلیات کے خلاف نہ ہو:

جو روایت اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی روح کے خلاف ہو محدثین کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ (۱۴)

امام ذہبی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں جو آپ رضی اللہ عنہم لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے:

”حدثنوا الناس بما يعرفون“ و دعوا ما ينكرون“ (۱۵)۔ انہی باتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرو جنہیں جانتے پہچانتے ہو اور جنہیں نہیں پہچانتے انہیں چھوڑ دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوع روایات کی نقل و تحدیث کا جو سلسلہ جاری ہو گیا تھا ان جعلی روایات کو صحیح روایات سے جدا کرنے کیلئے آپؑ نے مسلمانوں کو یہ کسوٹی اختیار کرنے کا مشورہ دیا جس کا حاصل یہ ظاہر یہی ہے کہ اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی روح سے جو حدیثیں مطابقت رکھتی ہوں صرف انہی کو قبول کرنا چاہئے اور قرآن جس عقل و دانش کو آدمی کے اندر پیدا کرتا ہے جو چیزیں اس کے مخالف ہوں ان کو ترک کر دینا چاہئے۔

روایات کے رد و قبول کا یہ معیار، وہی معیار ہے جس پر آخر وقت تک محدثین عمل کرتے رہے۔

علامہ ابن جوزیؒ محدثین کا یہ اصول نقل کرتے ہیں:

”كل حديث دأبته يخالف المعقول او يناقض الاصول فاعلم انه موضوع“۔ (۱۶)

جس روایت کو آپ معقول اور اصول (کلیات) کے خلاف پائیں تو سمجھ لیجئے کہ موضوع اور من گھڑت ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”او يكون مما يدفعه الحس والمشاهدة“ او مبائنا لبعض الكتاب والسنة المتواترة او الاجماع القطعي حيث لا يقبل من ذلك التاويل“۔ (۱۷)

(یا حدیث ایسی ہو کہ حواس و مشاہدہ اسے مسترد کر دے یا کتاب اللہ اور حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے مخالف ہو اور کسی تاویل کی گنجائش اس میں باقی نہ رہے تو ایسی حدیث اصول کے لحاظ سے ساقط الاعتبار کہلائے گی۔)

مقدمہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ آپؑ نے موضوع روایات کے فتنہ کا تذکرہ کر کے فرمایا:

”لم نأخذ من الناس الا ما نعرف“۔ (۱۸)

ہم انہی حدیثوں کو قبول کریں گے جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اس کے تحت لکھتے ہیں:

ای ما یوافق المعروف او نعرف فیہ امارات الصحة و سمات الصدق۔^(۱۹)

(یعنی مانوس اور معروف و مشہور روایات یا وہ جن میں صحت کی علامات اور سچائی کے دلائل پائے جاتے ہوں۔)

اور یہ دراصل درایت کے اسی اصول کی تفصیل ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیش فرمایا تھا۔

(۳) روایت میں رکاکت نہ ہو:

حدیثی روایت کیلئے ضروری ہے کہ اس میں رکاکت نہ پائی جائے۔ اگر روایت میں کسی بھی پہلو سے رکاکت موجود ہو تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بالکل جائز نہیں۔ اس ضمن میں شیخ زین الدین عراقیؒ کہتے ہیں:

وہ بما یعرف بالرکاکة۔^(۲۰)

بسا اوقات حدیث کا من گھڑت ہونا اس کی رکاکت سے پہچانا جاتا ہے اور ملا علی قاریؒ کہتے ہیں:

ومنہا رکاکة الفاظ الحدیث و سماجتہا بحیث یسمجہا السمع و یدفعہا الطبع۔^(۲۱)

(حدیث کے من گھڑت ہونے کی پہچان اس کے الفاظ کی رکاکت اور نقص ہے جو سننے والے کو ناگوار ہو اور طبیعت اس کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔)

روایت میں رکاکت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک لفظی اور دوسری معنوی۔ لفظی رکاکت سے مراد یہ ہے کہ روایت کے الفاظ غیر معیاری ہوں۔ جملوں میں ترتیب و ترکیب کی کمی ہو اور زبان دان اسے پڑھتے ہوئے یوں محسوس کریں کہ یہ کسی غیر معیاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افصح و ابلیغ العرب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہیں اسلئے یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے الفاظ اور جملے قواعد عربیہ کے خلاف اور فصاحت و بلاغت کے

معیار سے گرے ہوئے ہوں۔

رکاکت معنوی کا مطلب یہ ہے کہ روایت کا مفہوم اور مضمون شان نبوت کے مطابق نہ ہو اور کلام معیار نبوت سے گرا ہوا ہو۔ حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

”ویسج معناها للفظن۔“ (۲۲)

اہل دانش اس کے معنی و مفہوم کو ناگوار سمجھیں۔ مثلاً:

”من فارق الدنيا وهو سکران“ دخل القبر سکران وبعث من قبره سکران وامر به الی النار سکران الی جبل یقال له سکران۔“ (۲۳)

(جس شخص کی موت نشہ کی حالت میں ہوئی وہ قبر میں نشہ کی حالت میں داخل ہو گا اسی حالت میں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اسی حالت میں آگ کی طرف لے جانے کا حکم ہو گا جس پہاڑ کی طرف اسے لے جایا جائے گا اس کا نام سکران ہے)۔

یا جیسے:

ان لله ملکا اسمه عمارة علی فرس من حجارة الباقوت طولہ مدبصر د يدور فی البلدان ویقف فی الاسواق فینادی الایغل کذا وکذا“ الایرخص کذا وکذا۔“ (۲۴)

(اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کا نام عمارہ ہے وہ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تا حد نظر اس کی لمبائی ہے وہ بستوں میں گھومتا اور بازاروں میں آوازیں لگاتا ہے۔ اشیاء کی قیمتیں اتنی بڑھاؤ۔ اشیاء کی قیمتیں اتنی گھٹاؤ۔)

رکاکت لفظی اور معنوی کی وجہ سے علماء حدیث نے روایات کی ایک معقول تعداد کو رد کر دیا ہے۔ جن حضرات کا تعلق تحدیث و روایت سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک کی کثرت استعمال کی وجہ سے ان کے اندر ایک خاص قسم کا ملکہ اور سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعے وہ موضوع روایت کو پہچان لیتے ہیں۔ ابن دقیق العید اس بارے میں لکھتے ہیں:

”حصلت لهم لكثرة محاولة الفاظ النبي صلى الله عليه وسلم بيثة نفسانية وملكة“

قوية يعرفون بها ما يجوز ان يكون من الفاظ النبوة وما لا يجوز۔ (۲۵)

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک کی کثرت استعمال اور ان کے برتنے میں مشغولیت کی شدت ان حضرات میں ایک خاص قسم کا سلیقہ پیدا کر دیتی ہے اور ایسی غیر معمولی صداقت جس کی وجہ سے وہ اس کو پہچاننے لگتے ہیں کہ کون سے الفاظ کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہو سکتا ہے اور کن الفاظ کا انتساب درست نہ ہوگا۔)

امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”اتی ابن عباس بکتاب فیہ قضاء علی فمحاد الا قدر“ و اشار سفیان بذراعه۔ (۲۶)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک کتاب پیش ہوئی جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلوں پر مشتمل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کتاب کو لیکر مٹانا شروع کیا مگر اتنا باقی رکھا حضرت سفیان نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک ہاتھ کے برابر۔)

علامہ بلقینی فی ذوق کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ان انسانا لو خدما انسانا سنین و عرف ما یحب وما یکرہ فادعی انسان انه کان یکرہ

شیئا یعلم ذلک انه یحبہ و بمجرد سماعہ یبادر الی تکذیبہ۔ (۲۷)

(اگر ایک شخص کسی کی برسوں خدمت کر کے اس کی پسند و ناپسند سے واقفیت حاصل کرے اور پھر کوئی اس کی پسندیدہ شے کے بارے میں کہہ دے کہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے تو سننے کے ساتھ ہی یہ اس کو جھوٹ قرار دے دے گا اور مزید تحقیق کی ضرورت نہ سمجھے گا)

(۳) روایت میں ہمیشگونی ماہ و سال کے تعین کے ساتھ ہو:

اگر حدیثی روایت میں کوئی ہمیشگونی ماہ و سال کے تعین کے ساتھ ہو تو ایسی روایت کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا علماء حدیث کے نزدیک درست نہیں۔ حافظ

ابن تیمیم کہتے ہیں: ”ان یكون فی الحدیث تاریخ کذا و کذا۔“ (۲۸)

(حدیث میں تاریخ کا تعین ہو)

ملا علی قاری کہتے ہیں:

”ومنها احادیث التواريخ المستقبلة“ (۲۹)

مثلاً: ”عند راس مائة يعث الله ريحا باردة يقبض الله فيها روح كل مومن“ - (۳۰)

(ہر سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس کے ذریعہ ہر مومن کی روح کو قبض کر لے گا)۔

یا جیسے: ”اصحابی اہل ایمان و عمل الی اربعین‘ و اہل بر و تقوی الی الثمانین و اہل

تواصل و تراحم الی العشرین و مائة‘ و اہل تقاطع و تدابر الی الستین و مائة ثم الہرج

الہرج“ (۳۱)

(میرے اصحاب چالیس سال تک ایمان و عمل والے ہوں گے۔ اسی سال تک نیکی اور تقویٰ والے ہوں گے۔ ایک سو بیس سال تک باہمی صلہ رحمی اور محبت والے ہوں گے۔ ایک سو ساٹھ سال تک قطع تعلقات اور نفرت والے ہوں گے اس کے بعد بے چینی اور اضطراب ہوگا)۔

(۵) روایت مقتضیات عقل کے خلاف نہ ہو:

جو روایت مقتضیات عقل کے خلاف ہو اس کا باطل ہونا معلوم ہے۔ علماء حدیث ایسی روایت کو قبول نہیں کرتے۔ علامہ سخاوی اس بارے میں کہتے ہیں: ”لا تعتبر رواہ ولا تنظر فی جرحہم“ (۳۲) ایسی روایت کے راوی قابل اعتبار نہیں ان کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہئے۔ مطلب یہ کہ روایت کی شہرت اور ثقاہت کی وجہ سے اس قسم کی روایت کو اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ ابن جوزی ”اس اصول کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

الآتری انه لو اجتمع خلق من الثقات فاخبروا ان الجملة قد دخل فی سم الخياط

لما نفعتنا ثقتهم ولا اثرت فی خبرهم لانهم اخبروا المستحيل“ (۳۳)

(کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر ثقہ لوگوں کی جم غفیر خبر دے کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو گیا اس صورت میں نہ ان کی ثقاہت ہمیں نفع دے گی اور نہ ان

کی خبر ہمیں متاثر کرے گی اس لیے کہ انہوں نے جس واقعہ کی خبر دی ہے وہ ناممکن اور محال ہے۔

علمائے حدیث نے اس اصول کے پیش نظر ذخیرہ حدیث میں منقول کئی روایات کو صحیح ماننے سے انکار کیا ہے۔ مثلاً: "الورد الابيض خلق من عرقى ليلة المعراج والورد الاحمر خلق من عرق جبرئيل والورد الاصفر من عرق الברاق"۔ (۳۴)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (سفید گلاب معراج کی رات میں میرے پینے سے پیدا کیا گیا۔ سرخ گلاب جبرئیل کے پینے سے اور زرد گلاب براق کے پینے سے پیدا کیا گیا)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ عقل عام کے بالکل خلاف ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے: من قص اطفاردہ مخالفالم یرفی عینہ رمدًا۔ (۳۵)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (جس نے اپنے ناخن مخالف سمت سے کاٹے وہ آشوب چشم سے محفوظ رہے گا)۔

خبر واحد اگر مقتضائے عقل کے خلاف ہو اور اس میں تاویل صحیح نہ ہو سکے تو محدثین کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ شیخ عبدالعزیز البخاری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"اعلم ان خبر الواحد اذا ورد مخالفا لمقتضى العقل، فان امکن تاويله من غير تعسف يقبل التاويل الصحيح، وان لم يمكن تاويله الا بتسعف لم يقبل، لانه لو جاز التاويل مع التعسف لبطل التناقض من الكلام كله ويجب فيما لا يمكن تاويله القطع على ان النبى عليه السلام لم يقله والاحكاية عن الغير او مع زياده او نقصان وان كان مخالف لنص الكتاب والسنة المتواتره او للاجماع فكذلك، لان هذه الادلة قطعية وخبر الواحد ظنى، ولا تعارض بين القطعى والظن بوجه، بل الظنى يسقط بمقابلة القطعى..... (۳۶)

(خبر واحد اگر مقتضائے عقل کے خلاف ہو تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس میں بغیر کسی تکلیف یا تردد کے تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟۔ اگر تاویل صحیح ہو سکے تو اس خبر کو قبول کر لینا چاہئے ورنہ اسے رد کر دینا چاہئے اس طرح جو خبر نص کتاب، سنت متواتر یا اجماع کے خلاف ہو اسے بھی رد کر دینا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ تمام دلیلیں قطعی ہیں اور خبر واحد ظنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قطعی اور ظنی

میں کوئی تعارض نہیں ہوتا بلکہ قطعی کے مقابلہ میں ظنی ساقط ہو جاتا ہے۔

(۶) روایت میں چھوٹے کام پر بڑے ثواب اور چھوٹی بات پر سخت وعید کی گئی ہو:

جس حدیثی روایت میں کسی چھوٹے کام پر بڑے بھاری ثواب کی بشارت ہو یا چھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو۔ ایسی روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ مثلاً:

من اغتسل يوم الجمعة بنية و حسبة كتب الله له بكل شعرة نودا يوم القيامة
ورفع الله بكل قطرة درجة في الجنة من درو الياقوت والزرجد بين كل
درجتين مسيرة مائة عاماً (۳۷)

(جس نے جمعہ کے دن اچھی نیت کے ساتھ غسل کیا اللہ تعالیٰ اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے قیامت کے دن اس کیلئے نور لکھے گا اور ہر قطرہ کے عوض جنت میں موتی، یاقوت اور زمرد کے درجات بلند کرے گا جس کے ہر دو درجہ کے درمیان سو سال کی مسافت ہوگی)۔ یا جیسے:

من تواضع لغنى لاجل غناه ذهب ثلثا دينه (۳۸)

(جس نے کسی غنی کے مال و دولت کی وجہ سے اس کے سامنے تواضع کی اس کا دو تہائی دین چلا گیا)۔

اصول درایت کے متعلق محدثین کے اقوال

قال الشيخ ابو اسحاق الشيرازي في اللمع في باب بيان ما يرد به خبر الواحد اذا
روى الخبر ثقة رد بامور:

احدها ان يخالف موجبات العقول فيعلم بطلانه لان الشرع انما يرد بمجوزات
العقول، واما بخلاف العقول لا۔

الثاني - ان يخالف نص كتاب او سنة متواترة فيعلم انه لا اصل له او منسوخ۔

والثالث - ان يخالف الاجماع فيستدل به على انه منسوخ ولا اصل له لانه لا يجوز
ان يكون صحيحا غير منسوخ و تجمع الامة على خلافه۔

الرابع - ان ینفرد الواحد بروایة ما یجب علی الکافة علمه فیدل ذلک علی انه لا اصل له لانه لا یجوز ان یکون له اصل وینفرد هو بعلمه من بین الخلق العظیم۔

الخامس - ان ینفرد بروایة ما جرت العادة ان ینقله اهل التواتر فلا یقبل لانه لا یجوز ان ینفرد فی مثل هذا بالروایة، واما اذا ورد مخالفا للقیاس او انفرد الواحد بروایة ما تعم البلوی لم یرد (۳۹)

شیخ ابو اسحاق شیرازی لمعہ میں لکھتے ہیں:

وہ امور جن کی وجہ سے اگر کسی خبر کو ثقہ نے بھی بیان کیا ہو تب بھی اسے رد کر دیا جاتا ہے، یہ ہیں:

۱- وہ روایت جو مقتضیات عقل کے خلاف ہو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ اسلئے کہ شرع تو مجوزات عقل کے مطابق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

۲- کتاب اللہ کی کسی نص، یا سنت متواترہ کے خلاف ہو تو سمجھا جائے گا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ منسوخ ہے۔

۳- اجماع امت کے خلاف ہو تو سمجھا جائے گا کہ بے بنیاد اور منسوخ ہے۔ اسلئے کہ پوری امت کا عمل صحیح روایت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

۴- ایک ہی شخص تنہا کوئی ایسی روایت بیان کرے جس کا علم لوگوں کی بڑی جماعت کو ہونا ضروری ہو۔

۵- راوی تنہا ایسی روایت بیان کرے جس کو عادی اہل تواتر کے ذریعہ مروی ہونا چاہئے۔ اسلئے کہ اس قسم کی روایت میں وہ منفرد نہیں رہ سکتا۔ ہاں اگر روایت قیاس یا متداول عمل کے خلاف ہو تو اس صورت میں قابل لحاظ ہے۔

۲- حضرت ملقمہ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حلقہ کے مشہور رکن ہیں، کہتے ہیں:

ان من الحدیث حدیثا له ضوء كضوء النهار تعرفه، وان من الحدیث حدیثا له

كظلمة الليل تنكره۔ (۴۰)

حضرت ربیع بن حیثم کا قول بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ جس کے راوی خطیب ہیں۔

”ان للحديث كضوء النهار يعرف، و ظلمة كظلمة الليل تنكر“۔ (۳۱)

(حدیثوں میں بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی روشنی دن کی روشنی کی مانند پہچانی جاتی ہے اور بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کی تاریکی رات کی تاریکی جیسی ہے جس سے تم مانوس نہ ہو گے)۔

۳۔ علامہ ابن الجوزی ”کہتے ہیں:

”الحديث المنكر يقشعر منه جلد طالب العلم و ينفر منه قلبه في الغالب و عنى بذلك الممارس لالفاظ الشارع الخبير بها وبرونقها و بهجتها“۔ (۳۲)

(موضوع اور منکر روایت کے پڑھنے سے پڑھنے والے کے جسم اور دل پر ایک خاص قسم کا اثر ہو جاتا ہے جس سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ روایت صحیح نہیں۔ لیکن یہ اثر اس شخص پر ہوتا ہے جسے الفاظ کے استعمال کی اچھی خاصی مشق ہو گئی ہو اور وہ ان الفاظ کی رونق اور خوبصورتی سے واقف ہو گیا ہو)۔

۴۔ قال ابو الحسن بن الحضار في تقريب المدارك على مو طاللاما مالک:

”قد يعلم الفقيه صحة الحديث اذا لم يكن في سنده كذاب، بموافقة اية من كتاب الله تعالى او بعض اصول الشريعة فيحمله ذلك على قبوله والعمل به“۔ (۳۳)

(ابو الحسن بن حضار کہتے ہیں: مجتہد حدیث کی صحت کیلئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھتا

ہے:

- ۱۔ اس کی سند میں کوئی راوی جھوٹا نہ ہو۔
 - ۲۔ کتاب اللہ کی کسی آیت سے اس کی مناسبت ہو۔
 - ۳۔ اصول شریعت میں سے کسی اصول کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو۔
- جب روایت اس قسم کی ہوتی ہے تو وہ اسے قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے)
- ۵۔ علامہ سخاوی اپنی مشہور کتاب فتح المغیث میں لکھتے ہیں:

قال ابن جوزی وکل حدیث رایتہ یخالف المعقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع - فلا یتكلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواته ولا تنظر فی جرحهم او یكون مما يدفعه الحس و المشاهدة او مبیانا لنص الكتاب والسنة المتواترة او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شئی من ذلك التاویل۔

او یتضمن الافراط بالوعد الشدید علی الامر الیسیر - او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر ، وهذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقة ومن ركة المعنی ' لا تأكلوا القرعة حتی تذبحوها' ولذا جعل بعضهم ذلك دلیلا علی كذب روايه، كل هذا من القرائن فی المروی، وقد تكون فی الراوی كقصه غیث مع المهدي او انفراده عن لم یدرك بما لم یوجد عند غیرهما او انفراده بشئی مع كونه مما یلزم المكلفین علمه وقطع العذر فیہ كما قرره الخطیب فی اول الكفاية او بامر دینوفردواعی علی نقله كحصر عدو الحاج عن البيت - (۳۳)

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو آپ دیکھیں کہ عقل یا اصول کے خلاف ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ من گھڑت ہے۔ اس کے متعلق اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر۔ اسی طرح وہ حدیث قابل اعتبار نہیں ہے جو حس اور مشاہدہ کے خلاف ہو اور وہ حدیث بھی ساقط الاعتبار ہے جو نص کتاب، سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور پھر کسی قسم کی تاویل کی گنجائش بھی اس میں نہ ہو۔

اسی طرح وہ حدیث جس میں ایک ذرا سی بات پر سخت وعید دی گئی ہو یا اس کے برعکس معمول سے فعل پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو اس قسم کی حدیثیں قصہ گو اور بازاری لوگوں کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ وہ حدیث بھی قابل اعتبار نہیں جس میں لغویت پائی جائے مثلاً یہ کہ کدو کو زنج کئے بغیر نہ کھاؤ اس کو دیکھ کر بعض حضرات نے کہا کہ اس کا راوی جھوٹا ہے۔ یہ تمام قرینے وہ ہیں جو روایت میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً غیث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ۔ جبکہ کوئی راوی تنہا ایسے شخص سے روایت کرے جس سے وہ ملا بھی

نہ ہو یا تنہا کوئی ایسی بات بیان کرے جس کا علم اور لوگوں کو بھی ہونا ضروری تھا جیسے کہ الخلیب نے اپنی کتاب الکفایہ کی ابتداء میں اس کی وضاحت کی ہے یا وہ واقعہ اتنا اہم ہو کہ اس کے نقل کے اسباب وافر ہوں۔ مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے لوگوں کو حج کرنے سے روک دیا۔

حسب ذیل صورتوں میں روایت قابل اعتبار نہ ہوگی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں یا غیر ثقہ؟

- (۱) جو روایت عقل کے خلاف ہو۔
- (۲) جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔
- (۳) جو روایت محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو۔
- (۴) قرآن مجید، حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

- (۵) جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔
- (۶) معمولی عمل پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو۔
- (۷) روایت ریک المعضی ہو۔
- (۸) راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہ کی اور یہ راوی اس شخص سے ملانہ ہو۔

- (۹) روایت ایسی ہو کہ لوگوں کی بڑی تعداد کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو یاں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

- (۱۰) جس روایت میں ایسا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں راوی اس کو بیان کرتے۔ اس کے باوجود صرف ایک ہی راوی اس کو بیان کرے۔

(۶) ملا علی قاری الہروی المعضی اپنی کتاب "الموضوعات الکبیر" کے خاتمہ پر روایات کے نامعتبر ہونے کے چند اصول بیان کرتے ہیں۔ آپ نے اس سلسلے میں مثالیں بھی دی ہیں اور ساتھ ساتھ مختصر بحث بھی کی ہے۔ ہم صرف ان

اصول کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) جس روایت میں ایسی فضول باتیں ہوں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نہیں نکل سکتیں مثلاً یہ کہ جو شخص "لا الہ الا اللہ" کہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کی ستر زبائیں ہوتی ہیں اور ہر زبان میں ستر نعت ہوتے ہیں۔

(۲) وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ بیگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔

(۳) جو روایت صریح حدیثوں کے خلاف ہو مثلاً جس کا نام احمد یا محمد ہو وہ دوزخ میں نہیں جائے گا حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ دوزخ سے نجات کا نام سے تعلق نہیں، عمل سے ہے۔

(۴) جو حدیث واقعہ کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جو حدیث انبیائے کرام علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو مثلاً یہ کہ تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آب رواں اور خوبصورت چہرہ کا دیکھنا۔

(۶) وہ حدیثیں جن میں آئندہ واقعات کی پیش گوئی بقید تاریخ مذکور ہو مثلاً یہ کہ فلاں سن اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا۔

(۷) وہ حدیثیں جو بیبیوں کے کلام سے زیادہ ملتی جلتی ہوں مثلاً "ہر سب کے کھانے سے قوت آتی ہے"۔

(۸) وہ حدیثیں جن کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں، مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز تھا۔

(۹) وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس ہوگی اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کب آئے گی حالانکہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔

(۱۰) بعض وہ روایات جو حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

- (۱۱) جس حدیث میں رکیک الفاظ پائے جاتے ہوں مثلاً اربع لا یسبع من اربع انتی من ذکر' وارض من مطر وعین من نظر و اذن من خبر -
- (۱۲) بعض وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں۔ (۳۵)

اصول درایت کا اطلاق

محدثین میں ایک ایسا گروہ ہمیشہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بناء پر بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا۔ گو ان کے رواة ثقہ اور مستند ہوتے تھے۔

(۱) ایک ضعیف حدیث ہے کہ "جس شخص نے عشق کیا اور پاک و امن رہا اور وفات پائی وہ شہید ہوا"۔ حافظ ابن قیم اس حدیث کو دلائل عقلی سے باطل ثابت کر کے لکھتے ہیں: "فلو كان اسناد هذا الحديث كالشمس كان غلطا وهما"۔ (۳۶) اس حدیث کی سند اگر آفتاب کی طرح ہوتی تب بھی غلط اور وہم ہوتی۔

(۲) صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: "اقض بیینی و بین هذا الکاذب الائم الغادر الخائن"۔ (میرے اور اس جھوٹے مجرم، دھوکہ باز، خائن کے درمیان فیصلہ کیجئے)

چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے، اس لئے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے۔ علامہ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں:

"اذا انسدت طرق تاویلها نسبنا الکذب الی روايتها"۔ (۳۷) (جب اس کی تاویل کے سب رستے رک جائیں گے تو ہم راویوں کو جھوٹا کہیں گے۔)

(۳) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ اللہ جل شانہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا تہ ساٹھ گز کا تھا۔۔۔۔۔ (۳۸) حافظ ابن حجر اس کے تحت لکھتے ہیں:

”ویشکل علی هذا ما يوجد الان من اثار الامم السالفة كديار نمود“ فان مسانكهم تدل علی ان قاماتهم لم تكن مفرطة الطول علی حسبما يقتضيه الترتیب السابق ولم يظهر الان ما یزیل هذا الاشكال“ (۴۹) ----- (اس پر یہ اشكال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قوموں کے جو آثار اس وقت موجود ہیں مثلاً قوم شمود کے مکانات، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد اس قدر بڑے نہ تھے جیسا کہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے اور اس وقت تک مجھے اس اشكال کا جواب نہیں معلوم ہوا)۔

(۴) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہیں گے کہ اے خدا! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت میں مجھ کو رسوا نہ کرے گا۔ اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”وقد اشتشکل الاسماعیلی هذا الحدیث من اصله و طعن فی صحته“ (۵۰)

(اسماعیلی نے اس حدیث پر اشكال وارد کیا ہے اور اس کی صحت پر طعن کیا ہے۔

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا، اس پر اور بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا) (۵۱) حافظ ابن عبدالبر نے اس بناء پر اس حدیث کی صحت میں تامل کیا کہ جانور مکلف نہیں۔ اس لئے ان کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہو سکتا، نہ اس بناء پر ان کو سزا دی جاسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”وقد استتكر ابن عبدالبر قصة عمرو بن ميمون هذه وقال فيها اضافة الزنا الى غير

مكلف واقامة الحد علی البهائم“ (۵۲)

(ابن عبدالبر نے عمرو بن میمون کے اس قصہ سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں غیر مکلف کی طرف زنا کی نسبت ہے اور جانوروں پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہے)

(۶) صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن ابی کے طرف داروں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں جھگڑا ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وان طائفتن من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بينهما۔ (۵۳)

(اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان میں صلح کرا دو۔)

روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت تک عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ ظاہر میں بھی اسلام نہیں لایا تھا۔ اس بناء پر ابن بطلان نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ آیت قرآن اس واقعہ کے متعلق نہیں ہو سکتی۔ اسلئے کہ آیت میں تصریح ہے کہ جب دونوں گروہ مومن ہوں۔ اور یہاں عبداللہ بن ابی کا گروہ علانیہ کافر تھا۔

(۷) ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ سے معاف کر دیا تھا۔ ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

ومنہا ما یقترن بالحدیث من القران التی یعلم بها انه باطل مثل حدیث وضع الجزیة عن اهل خیبر فهذا کذب من عدة وجود:

احدها ان فيه شهادة سعد بن معاذ وسعد قد توفي قبل ذلك في غزوة الخندق، ثانياً

ان فيه وكتب معاوية بن ابي سفيان هكذا: ومعاوية انما اسلم زمن الفتح وكان من الطلقاء۔

ثالثا ان الجزية لم تكن حينئذ ولا يعرفها الصحابة ولا العرب وانما انزلت بعد

عام تبوك وحينئذ وضعها النبي عليه الصلاة والسلام على نصارى نجران ويهود اليمن ولم

يوخذ من يهود المدينة لانهم وادعوه قبل نزولها ثم قتل من قتل منهم واجلى بقيتهم الى

خيبر والى الشام وصالحه عليه الصلاة والسلام اهل خيبر قبل فرض الجزية

رابعها۔ ان فيه انه وضع عنهم اكلف والسخر ولم يكن في زمانه عليه السلام كلف

ولا سخر ولا مكوس۔

خامسها۔ انه لم يجعل لهم عهدا لازما بل قال نقرکم ما شئنا فكيف يضع عنهم الجزية

التي يصير لاهل الذمة بها عهد لازم موبدثم لا يثبت لهم امانا لازما موبدا۔

سادسها۔ ان مثل هذا مما يتوفر الهمم والدواعى على نقله فكيف يكون قد وقع ولا

يكون علمه عند حملة السنة من الصحابة والتابعين وائمة الحديث، وينفرد بعلمه ونقله

اليهود۔

سابعها۔ ان اهل خيبر لم يتقدّم لهم من الاحسان ما يوجب وضع الجزية فانهم

حاربوا الله ورسوله وقاتلوه وقاتلوا اصحابه ولسوا السيوف في وجوههم-

ثامنها - ان النبي عليه الصلاة والسلام لم يسقطها عن الابعدين عنه مع عداء معاداتهم له
 كاهل اليمن واهل نجران فكيف يضع عن الخبير بين الاذنين مع شدة معاداتهم له وكفرهم
 وعتادهم-

تاسعها - انه عليه السلام لو اسقط عنهم الجزية كما ذكروا لكانوا من احسن الكفار
 حالا ولم يحسن بعد ذلك ان يشترط لهم اخراجهم من ارضهم وبلادهم متى شاء - (۵۴)

یہ روایت مختلف وجہ سے باطل ہے:

(۱) اس معاہدہ پر سعد بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہے حالانکہ وہ غزوہ خندق میں وفات پا چکے تھے۔

(۲) دستاویز میں کاتب کا نام معاویہ رضی اللہ عنہ ہے۔ حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے۔

(۳) اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا جزیہ کا حکم قرآن مجید میں جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے۔

(۴) دستاویز میں تحریر ہے کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لی جائے گی حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیگار کا رواج ہی نہ تھا۔

(۵) ان کے ساتھ کوئی ایسا لازمی معاہدہ ہوا نہیں تھا انہیں تو بتایا گیا تھا کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ پھر ان کو جزیہ سے معاف کر دینا کیسے ہو سکتا ہے جو باقاعدہ معاہدہ کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔

(۶) یہ ایسا واقعہ ہے جس کے نقل کرنے کے خاطر خواہ اسباب موجود تھے۔ پھر صحابہ کرام تابعین اور ائمہ حدیث اس سے بے خبر کیسے رہے؟۔

(۷) اہل خیبر نے کوئی ایسا اچھا کام نہیں کیا تھا جس کی بناء پر ان کا جزیہ معاف کر دیا جاتا انہوں نے تو اللہ جل شانہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف اپنی تلواریں سونت لی تھیں۔

(۸) عرب کے دور دراز حصوں میں جب جزیہ معاف نہیں ہوا، جیسے یمن اور نجران، حالانکہ

ان لوگوں نے چنداں مخالفت اور دشمنی نہیں کی تھی تو خیبر والوں کا کیونکر معاف ہو سکتا تھا۔

(۹) اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے بھی خواہ دوست اور واجب الرعاۃ ہیں۔ حالانکہ چند روز کے بعد جلاوطن کر دیئے گئے۔

جو حضرات علم حدیث سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث کا جو ذخیرہ اس وقت ہزاروں روایات اور سینکڑوں مولفات کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے یہ قرون اولیٰ کے علماء حدیث تک نقل در نقل پہنچ کر محفوظ ہوا ہے۔ اس میں رطب و یابس کا خیال نہیں رکھا گیا ہے اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ذخیرہ پر نظر ثانی کر کے اس میں سے ان روایات کو نکال دیا جائے جن میں سقم اور نقص پایا جاتا ہے اور محض ان روایات کو یکجا کر دیا جائے جو بالکل صحیح ہوں اور جو امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکیں۔ اس قسم کی باتیں عام طور پر کی جاتی ہیں بلکہ اس قسم کے موضوعات پر طویل بحثیں اور مذاکرے ہوتے رہتے ہیں۔ بد قسمتی سے بعض وہ علماء جو علم حدیث کا رتبہ کم کرنا چاہتے ہیں وہ بیمار ذہنوں کو غذا مہیا کرتے ہیں۔ بعض مواقع پر ان کی زبانوں سے حدیث کے متعلق ایسی باتیں نکلتی ہیں جنہیں سن کر حیرت ہوتی ہے کہ اس مقدس علم کے خلاف ان کے سینوں میں اتنا غیظ و غضب کیوں ہے۔ اس ضمن میں جو بات زیادہ قابل فہم نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان حضرات کی ذاتی رسائی علم حدیث کے اصول اور مصادر تک نہیں ہوتی۔ بلکہ اکثر و بیشتر انہیں مصادر کے نام تک نہیں آتے۔ انہیں اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ علماء حدیث نے کس طرح اس علم کی خدمت کی ہے اور اس کی خدمت کیلئے اپنی پوری پوری زندگیوں کی قربانی دی ہے۔ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ علم حدیث کی کتنی شاخیں ہیں اور ہر ایک شاخ پر کتنا کام ہوا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ علماء حدیث نے حدیثی روایات کو کتنا پرکھا اور کیسے پرکھا ہے۔ ان کے پیش نظر وہ مصادر نہیں ہوتے جن میں موضوع اور مرود روایات کو الگ کر کے جمع کیا گیا ہے اور جن کی ضخیم جلدیں کتب خانوں میں موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے اس علم کی جو خدمت کی ہے وہ عبادت سمجھ کر کی ہے۔ درایت کے جو اصول اس مقالے میں ذکر کئے گئے ہیں علماء حدیث نے ان اصولوں پر مشتمل کئی مجموعے مرتب کیئے ہیں۔ ان کے مرتبہ مجموعوں اور مولفات کو پڑھنا بھی دشوار ہے۔

ان مجموعوں پر بحث اور تعارف کیلئے ایک مستقل مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے

حوالہ جات

- ۱- ابن عبدالبر - جامع بیان العلم و فضلہ، باب ذکر من قدم الاکتاف فی الحدیث۔
- ۲- الشیخ طاہر بن صالح الجزائری - توجیہ النظر الی اصول الاثر - مطلب فی امور دینیہ فی الانتہا
- ۳- القرآن ----- (النور: ۲)
- ۴- امام احمد بن محمد بن حنبل - مسند - عن ابی اسید الساعدی رضی اللہ عنہ۔
- ۵- ابو الحسن علی بن محمد کتانی - تنزیہ الشرعہ المرفوعہ عن الاخبار الموضوعہ - فصل فی حقیقہ الموضوع۔
- ۶- مسند الامام احمد بن حنبل - ج ۲ ص ۳۸
- ۷- ایضاً ص ۳۱
- ۸- مسند احمد ج ۲ ص ۳۱
- ۹- رواہ الترمذی و ابن ماجہ، الوضوء مما غیرت النار۔
- ۱۰- رواة البخاری ج ۱، باب الصلوة التوافل جماعة۔
- ۱۱- مسند احمد بن حنبل، ج ۲ ص ۳۱
- ۱۲- الصحیح للامام مسلم - کتاب الجنائز۔
- ۱۳- رواہ البخاری فی التفسیر۔
- ۱۴- الموافقات للشاطبی، ج ۳ ص ۱۰۹
- ۱۵- تذکرۃ الحفاظ للشیخ الذہبی
- ۱۶- عبدالرحمن بن علی بن جوزی، کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۱۰۶
- ۱۷- ایضاً فتح المغیث للشیخ السقائی - الحدیث الموضوع۔
- ۱۸- مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۰۰

- ١٩- الشيخ شبير احمد العثماني - فتح الملهم - ص ١٩-
- ٢٠- السنه ومكائنها في التشريع الاسلامي ' علامات الوضع في المتن-
- ٢١- المنار المنيف - فصل : ٢٣- من امارات الحديث
- ٢٢- ايضاً
- ٢٣- ابن قيم - المنار المنيف - فصل : ٢٣' ومنها ركائة ----
- ٢٣- ايضاً
- ٢٥- فتح المغيث للسخاوي- تحت الموضوع
- ٢٦- مقدمه صحيح مسلم ص ١٠
- ٢٧- الدكتور مصطفى السباعي ' السنه ومكائنها في التشريع الاسلامي - علامات الوضع في المتن-
- ٢٨- المنار المنيف - فصل : ١٣
- ٢٩- موضوعات كبير - ص ١١٣
- ٣٠- اللالي المصنوعه في الاحاديث الموضوعه ' للشيخ جلال الدين السيوطي- علامات الوضع في المتن-
- ٣١- ايضاً
- ٣٢- فتح المغيث - الموضوع
- ٣٣- ابن جوزي - كتاب الموضوعات - كتاب التوحيد - باب في الله عز وجل ج ١- ص ١٠٦
- ٣٣- المنار المنيف - فصل : ٨
- ٣٥- المنار المنيف - فصل : ٣٩
- ٣٦- عبدالعزيز بن احمد بن محمد علاء الدين البخاري - كشف الاسرار على اصول الامام فجر الاسلام على بن محمد الزدوي - بحث في اخبار الاحاد والتواترة
- ٣٧- موضوعات كبير - ص : ١١٠
- ٣٨- موضوعات كبير - حرف الميم

- ٣٩- ابو اسحاق ' ابراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي الشافعي -- اللمع في اصول الفقه - بحث في خبر الواحد-
- ٣٥- معرفه علو الحديث للحاكم النيسابوري - ص ٢٦
- ٣١- ايضاً
- ٣٢- كتاب الموضوعات ج ١ ص - ١٠٣-
- ٣٣- مقدمة فتح الملهم - ص ١٦-
- ٣٢- فتح المغيث - للشيخ السخاوي - كتاب الموضوعات ج ١ ص ١٠٦
- ٣٥- موضوعات كبير ص ١١٣-
- ٣٦- ابن قيم الجوزيه - زاد المعاد - ج ٢ ص ٩٦
- ٣٤- ابو زكريا النووي - شرح الصحيح للامام مسلم 'كتاب الجهاد باب الفي
- ٣٨- خلق الله ادم و طوله ستون ذراعاً رواه البخاري ج : ٢ ' كتاب الانبياء باب خلق ادم و ذدينه
- ٣٩- فتح الباري ج ١٦ ص ٦٠ بدء الخلق مطبوعه مصر
- ٥٠- فتح الباري ج ٨ ص ٣٨٣ ' كتاب الانبياء
- ٥١- رايث في الجاهليه قرده اجمع عليها قرده قد زنت فرجمتها معهم ' الصحيح للامام البخاري ج ٢ ' كتاب بنيان الكعبه ' باب التسامه في الجاهليه-
- ٥٢- فتح الباري ' ج ٤ ص ١٢١: التسامه في الجاهليه-
- ٥٣- الكشاف للزمخشري / الصحيح للامام البخاري - كتاب العلم
- ٥٣- السنه ومكانتها في التشريع الاسلامي ----- علامات الوضع في المتن - موضوعات كبير - ص ١١٦-